قسمت کا دھنی

ڈاکٹر عبدالرازق☆

کیسا قسمت کا دھنی ہم کو دلآرام ملا ہے
ماں کے قدموں میں اسے گوشۂ آرام ملا ہے

بار ہا ارادوں کا اعادہ کیا مگر قلم کو حوصلہ کہاں؟ طبیعت کچھ لکھنے کی طرف آتی ہی نہیں۔ جو کچھ لکھا ہے اُسے میرے مرحوم دوست کے حکم کی تعمیل سمجھ لیں۔ چالیس سالہ ''منّا'' شہزادۂ دارِ بنی ہاشم، ذہنی طور پر بوڑھے لوگوں کی آرزوؤں اور تمناؤں کا محور، جسے مرحوم لکھتے ہوئے یوں احساس ہونے لگتا ہے کہ ابھی فون کی گھنٹی بجے گی اور لائن پر دوسری طرف ''وہ'' یوں گویا ہوں گے ''—''۔ خوش بخت مجھ سے کہا کرتے تھے کہ ''اپنے مشاہدات کو قلمبند کر کے کہیں چھپوا دیا کرو۔ یہ امانت ہے اور اِسے آگے منتقل ہونا چاہیے۔ اور پھر تمھارے شہر میں تو الزبیر چھپتا ہے، وہاں بھیج دیا کرو۔'' مجھے کیا خبر تھی کہ اُن کی زندگی میں تو میں یہ نہ کر پاؤں گا مگر اُن کے چلے جانے کے بعد خود اُنہی کی باتیں مجھے لکھنا پڑیں گی۔

پہلی مرتبہ جنوری ۱۹۹۵ء میں دارِ بنی ہاشم ملتان میں سیّد ذوالکفل بخاری سے ملاقات ہوئی۔ یہ خاندانِ بخاری کا پہلا فرد ہے جس سے میں ملا۔ اِس وقت میں ایف ایس سی سالِ اوّل کا طالب علم تھا اور اِسی سال سیّد ابوذر بخاری کا انتقال ہوا۔ پھر ملاقاتوں کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ بارہا ملتان جانا ہوا۔ کوشش ہوتی کہ ہر بار ملاقات کی کوئی صورت نکل آئے اور ہر بار اللہ رب العزت کوئی سبب بنا دیتا۔

ایک مرتبہ جناب سیّد مرتضٰی شاہ صاحب (ذوالکفل کے چچا) سے دریافت کیا کہ ذوالکفل بھائی ہیں؟ بولے: ''او بھائی اَے تے اساں دشمن آں!'' اُنھیں اِس بات کا خیال رہتا تھا کہ میری پڑھائی تو ٹھیک جا رہی ہے۔ جب مجھے ایم بی بی ایس میں داخلہ مل گیا تو بتانے لگے کہ آپ کے والد صاحب کہہ رہے تھے کہ یہ ہر وقت بڑے شاہ صاحب (سید ابوذر بخاریؒ) کی تقریریں سنتا رہتا ہے، پتہ نہیں کیا کرے گا؟ اِس لیے میں تو ڈرا ہوا تھا مگر اللہ کا شکر ہے کہ آپ کا داخلہ میڈیکل کالج میں ہو گیا۔

میڈیکل کالج کے ابتدائی دنوں میں میرے ایک ہم جماعت عدنان طارق، جن کا نام میں اُس وقت نہ جانتا

☆ وکٹوریہ ہسپتال، بہاول پور

تھا، نے میرے قریب آ کر جب مجھے میرے نام سے پکارا تو میں چونکا۔ کہنے لگے پریشان مت ہوں۔ آپ کو سیّد ذوالکفل

بخاری کا سلام ہے۔ خاندانِ بخاری کے دیگر افراد سے میرا تعارف انہی کی وجہ سے ہوا۔ میرے لیے تو اُن کا وجود اللہ پاک کی ایک نعمت تھا۔ جب بھی ملنے جانا ہوتا ہر بار کوئی نیا مشورہ، نئی بات، نئی کتاب اور نیا آدمی بتلا دیتے۔ گھنٹوں نشست ہوتی، جی تھا کہ بھرنے کا نام ہی نہ لیتا۔ بلکہ تھوڑے سے اضافے کے ساتھ، یوں کہیں تو زیادہ مناسب ہوگا:

تشنگی روز ملاقات میں رہ جاتی تھی
میری اِک بات کہیں بات میں رہ جاتی تھی
چاند آنکھوں سے گزرتا تھا، گزر جاتا تھا
روشنی دل کے مضافات میں رہ جاتی تھی

پروفیسر ظفر احمد چودھری، پروفیسر عابد صدیق، پروفیسر انور مسعود، مسعود اوکاڑوی، اشفاق احمد مرحوم، حافظ صفوان محمد چوہان، معاویہ رضوان کا تعارف سید صاحب ہی کا مرہونِ منت ہے۔ چند برس بعد ملتان سے جناب محمد خان صاحب کا قائدِ اعظم میڈیکل کالج بہاول پور داخلہ ہوگیا۔ پھر اُن کے واسطے سے رابطہ رہا۔ اس کے بعد فون ذریعہ بنا۔ اُن کا شادی کارڈ مجھے خان صاحب ہی نے پہنچایا مگر مجھے آج تک اس بات کا قلق رہا کہ میں اُن کی شادی پہ پہنچ نہ سکا کیونکہ مجھے وارڈ سے چھٹی مل نہ سکی۔ سعودی عرب ڈیپوٹیشن پر جانے سے پہلے ان کی ایک مرتبہ کامرس کالج میں امتحان پر ڈیوٹی لگی تھی۔ تب وہ بہاول پور آئے تھے مگر میری ملاقات نہ ہوسکی۔ سعودی عرب جانے کے بعد گزشتہ سردیوں میں پنجاب کالج بہاول پور میں اُن کا تقریباً پون گھنٹے کا لیکچر ہوا، وہاں ملاقات ہوئی۔ اُنھیں واپس اُسی رات جانا تھا۔ لہٰذا وہ اُسی رات ہی ملتان لوٹ گئے۔ مذکورہ لیکچر میں فرمایا کہ ڈاکٹر ف عبدالرحیم صاحب مدراس کے رہنے والے ہیں۔ اُن سے مکہ میں ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ زبانوں میں لینا دینا تو رہتا ہی ہے، آپ کا اِس بارے کیا خیال ہے؟ فرمایا کہ میرا تو تھیسس ہی یہی ہے۔ اب چھپ گیا ہوگا، میں کہتا ہوں کہ پورا یورپ انگریزی نہیں بلکہ عربی بولتا ہے۔ وہ اِس لیے کہ انگریزی زبان کے بیشتر الفاظ عربی ہی سے ماخوذ ہیں۔ قرآن وحدیث اور دیگر عربی کتب کے تراجم جب دیگر زبانوں میں ہوئے تو یہاں سے بہت سارے الفاظ انگریزی نے بھی لے لیے۔ میرا دعویٰ ہے کہ قرآن وحدیث میں سے کہیں نہ کہیں اِن کا مفہوم آپ کو مل جائے گا اور میں نے تو اِس کو مثالیں دے کر اپنے مقالہ میں لکھا ہے۔ پھر فرمانے لگے کہ جس طرح دیگر ممالک کے لوگ اپنی اپنی زبان میں علوم وفنون پڑھتے اور سیکھتے ہیں، یہی طرح اگر ہمارے ملک میں بھی پڑھ جائے تو ہم لوگ کیسے پیچھے رہ سکتے ہیں؟

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد کا واقعہ یوں سنایا کہ اُن کے شاگرد نے فارغ التحصیل ہونے پر اجازت چاہی کہ میں مروّجہ نظم سے ہٹ کر کسی اور نظم میں کام کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے دین کا کام بھی ہوگا اور میری کچھ مالی حالت بھی بہتر ہوجائے گی۔ شیخ الہندؒ نے اجازت دے دی۔ کچھ عرصے کے بعد جب شاگرد اپنے استاد سے ملا تو اُس نے اعتراف کیا کہ میرا وہاں جانا بہتر نہ تھا بلکہ بہتری آپ کے ساتھ ہی کام کرنے میں تھی۔ گزشتہ ملاقات میں فرمایا کہ مجھے مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ کی اولاد میں سے ایک صاحب ملے اور اُنھوں نے بتلایا کہ سعودی گورنمنٹ نے تین مرتبہ مولانا کی قبر کھولی اور تینوں ہی بار جب اُنھیں صحیح سلامت پایا تو قبر بند کر دی۔

اُن کا خیال تھا کہ فارغ التحصیل علماء کو پروفیسر ظفر احمد چودھری صاحب سے خوب استفادہ کرنا چاہیے۔ اِس سلسلے میں میں پروفیسر صاحب سے ملا اور اُن سے گزارش کی تو اُنھوں نے ہماری اِس خواہش کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔ مگر موصوف

بہاول پور سے جا کر جتوئی رہائش پذیر ہو گئے اور یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔

کوئی سال بھر پہلے کی بات ہے جب میرا ملتان آنا ہوا تو اُس وقت ذوالکفل بھائی کی پروفیسر صاحب سے کافی لمبی بات چیت ہوئی تھی جس میں اُنھوں نے اپنی اِس خواہش کا بھی اظہار کیا تھا کہ موصوف اپنا غیر مطبوعہ مواد بھی منظرِ عام پر لائیں۔ پروفیسر صاحب بڑے کام کے آدمی ہیں۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اُن کا بڑا کام ہے۔ تشکیلِ جدلی اُن کا خاص موضوع ہے اور السّیرۃ میں اُن کے کافی طویل مضامین چھپتے رہتے ہیں۔

اُن کے انتقال کے وقت میں ملتان میں نبیرۂ امیرِ شریعتؒ (سید محمد معاویہ بخاری) کے پاس حضرت امیر شریعتؒ کی اُسی بیٹھک میں بیٹھا ہوا تھا جہاں ذوالکفل بھائی کے نانا تشریف فرما ہوتے تھے۔ ہمارے بے تکلف اور مہربان و محسن، سید محمد معاویہ بخاری نے ہی یہ اندوہناک خبر سنائی۔ خبر کیا تھی۔ جیسے دل کے وسیع و عریض صحرا میں ایک دم اندھیرا سا چھا جائے، اچانک بادل گرجیں، بجلی کوندے اور گر جائے۔ ہماری حالت کچھ اِس طرح کی تھی جیسے کوئی ہاتھ ملتا رہ جائے۔ فوراً اُٹھ کر دارِ بنی ہاشم گیا۔ وہاں حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ سے بغلگیر ہوا اور میرے صبر کا پیمانہ تو ٹوٹ گیا مگر آفرین ہے خانوادۂ امیر شریعتؒ پر کہ خلافِ سنت سانس بھی نکلے۔ فرمایا: ''ڈاکٹر صاحب! آپ تو ہمیں تسلی دینے آئے تھے، آپ کو کیا ہو گیا؟''

وہاں سب سے ملا، اگر کسی سے نہ مل سکا تو اُس سے جس سے اکثر ملنے جایا کرتا تھا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اللہ رب العزت روزِ قیامت اُن سب سے ملوا دے گا جن سے ہم ملنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ وہاں جا چکے ہیں جس کے بارے میں شادؔ عظیم آبادی نے یوں کہا ہے:

پیغام بھیجتا ہے نہ لکھتا ہے خط کوئی
یہ بھی عجب طرح کا عدم میں رواج ہے

ایک بار پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑویؒ کا یہ شعر میں نے اُنھیں لکھ بھیجا:

شیخ جی کل رات چوری چھپے مے خانے گئے
اِس قدر چہرہ تھا نورانی کہ پہچانے گئے

اِس کا یہ جواب آیا:

مے کدے میں شیخ جی رندوں کو سمجھانے گئے
اور جب لوٹے بڑی مشکل سے پہچانے گئے

ایک بار مسعود اوکاڑوی کا یہ شعر پڑھ رہے تھے:

حائل ہیں ابھی حیات کے یہ چند روز ورنہ
وہ گوشۂ آرام میرے سامنے ہے

''گوشۂ آرام'' پہ زور دیتے اور انگلی سے اشارہ بھی کرتے۔ اُن کے حسنِ خاتمہ پر بھی یہ شعر کس قدر چست بیٹھتا ہے:

کیسا قسمت کا دھنی ہم کو دلآرام ملا ہے
ماں کے قدموں میں اُسے گوشۂ آرام ملا ہے